سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۱۴۶

اطمینانِ کامل

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ : گلشن اقبال کراچی

سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر ۱۴۶

اطمینانِ کامل

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

وعظ :اطمینانِ کامل

واعظ : عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وعظ : ۴ شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲ نومبر ۲۰۱۵ء

مرتب :جناب سید عمران فیصل صاحب (خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ)

تاریخِ اشاعت : ۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۲ نومبر ۲۰۱۵ء

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:92.21.34972080+، 92.316.7771051+

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی، پاکستان

عنوانات

دنیاوی نعمتیں علاماتِ قبولیت نہیں ۵
گناہ گاروں سے نفرت حرام ہے ۷
سکون و اطمینان صرف خدا ہی کی یاد میں ہے ۹
گناہوں سے بے چینی کی مثال ۱۰
گناہوں میں تلاشِ سکون حماقت ہے ۱۱
گناہ دوزخ کی شاخ ہے ۱۱
مال و دولت ذریعۂ سکون نہیں ۱۳
گناہ کا علاج مزید گناہ کرنا نہیں ہے ۱۳
ماؤں کی محبت خدا کی ادنیٰ بھیک ہے ۱۴
ایک فیصد گناہ بھی بے چین کرنے کے لیے کافی ہے ۱۶
اللہ کی فرماں برداری شرافتِ بندگی ہے ۱۶
گناہ کب لکھا جاتا ہے؟ ۱۷
ذکر سے کیا مراد ہے؟ ۱۸
خدا کا بندوں کو یاد کرنے کی تفسیر ۱۹
والدین کو ستانے کا وبال ۲۰
قطع تعلق کی سزا ۲۰
صلۂ رحمی کا اعلیٰ درجہ ۲۲
اطمینانِ کامل کا ذریعہ ۲۳
سو فیصد تقویٰ پر سو فیصد چین و سکون ۲۴
اطمینانِ کامل کی ایک علامت ۲۵
اطاعتِ والدین کی حدود ۲۵
ماں کے اولاد پر تین عظیم احسانات ۲۶
صاحبِ تقویٰ ہر جگہ حالتِ امن میں ہوتا ہے ۲۷
صالحین کا ایک اعزاز ۲۸
دنیا ہی میں جنت کا مزہ حاصل کریں ۲۹
تزکیہ نفس کے لیے مشیت الٰہیہ کیسے حاصل ہو؟ ۳۰

اطمینانِ کامل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ تَعَالٰی اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۱]

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

مَنِ اتَّقَی اللّٰہَ عَاشَ قَوِیًّا وَّسَارَ فِیْ بِلَادِہٖ اٰمِنًا[۲]

دنیاوی نعمتیں علاماتِ قبولیت نہیں

اس وقت آپ حضرات کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت تلاوت کی گئی اور ایک حدیث شریف سنائی گئی۔ قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، جن کو اللہ کے ذکر کی توفیق ہوتی ہے، ان کے قلوب کو اللہ تعالیٰ اپنے نام کی برکت سے اطمینانِ قلب والی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ دوستو! ایک تو ظاہر کا اطمینان ہے، ظاہر کا آرام ہے جیسے ایک شخص ایئر کنڈیشنڈ روم میں ہے یا ایئر کنڈیشنڈ کار چلا رہا ہے، ہوٹلوں میں تکّے اور بھُنا ہوا گوشت کھا رہا ہے۔ بوتلوں پر بوتلیں چڑھا رہا ہے، بہت سے ملازمین اس کو سلام کر رہے ہیں

---

۱ الرعد:۲۸

۲ الجامع الصغیر للسیوطی:۲/۵۰۶(۸۲۹۸)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

تو دوسرا آدمی سمجھتا ہے کہ یہ شخص بڑے اطمینان میں ہے، بہت عیش میں ہے لیکن در حقیقت اطمینان جسم کے عیش اور آرام کا نام نہیں ہے بلکہ اطمینان کا تعلق قلب سے ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا نام لینے والوں کو دل میں سکون ملتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جن کی کوٹھی، بنگلہ یا کار ہو یا جن کو بریانی اور مرغ ملتا ہو ان کو دل کا سکون بھی حاصل ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک مجوسی نے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنا مہمان بنالیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شرط پر مہمان بنا سکتا ہوں کہ اسلام قبول کرلو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس نے کہا کہ میں اسلام قبول نہیں کروں گا اور واپس ہو گیا۔ فوراً وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم میں اس مجوسی کافر کو، اس آتش پرست کو، آگ پوجنے والے کو ستّر برس سے رزق دے رہا ہوں، میں نے اس کو اسلام کی شرط پر روزی نہیں دی، میں اپنے نافرمانوں کو بھی روٹی دیتا ہوں مگر آپ نے ایک وقت کی مہمانی کی شرط پر اسلام پیش کر دیا، اگر آپ اس شرط کے بغیر اس کو کھلا دیتے تو کیا مضایقہ تھا؟[٣] یہ واقعہ اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ وہ کافر ستّر سال سے اللہ کی نافرمانی کی حالت میں روٹی تو کھا رہا تھا مگر اس کے دل کو اطمینان حاصل نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ روح کے مقابلے میں جسم کا عیش کچھ اہمیت نہیں رکھتا، اصل عیش دل کا عیش ہے، اصل چین دل کا چین ہے، جس کے قلب کو چین نہیں سارے جہاں کا عیش اس کے لیے بے کار ہے۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

میرے دوستو! دل کے اس سکون اور دل کی اس بہار کے بارے میں کیا عرض کروں۔ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وحی کے آتے ہی فوراً اس مجوسی کی تلاش شروع کر دی، یہاں تک کہ اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ چلو کھانا کھالو، میں اسلام کی شرط نہیں رکھتا، آپ کی دعوت نہ تو بشرط شے ہے اور نہ بشرط لا شے ہے بلکہ لا بشرط شے ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ یہ کیا بول رہے ہیں؟ تو یہ منطق کی اصطلاحات ہیں، اس مجمع میں کچھ اہل علم حضرات بھی ہیں

٣ے احیاء علوم الدین: ١٥٤/٤، بیان دواء الرجاء والسبیل، دار المعرفۃ، بیروت

جنھوں نے معقولات اور منطق پڑھی ہوئی ہے، وہ سمجھ گئے ہیں۔ آپ آسان اردو میں یوں سمجھ لیں کہ ہم آپ کی بغیر کسی شرط کے دعوت کرتے ہیں۔ اس نے آکر کھانا کھالیا۔ کھانا کھا کر پوچھا کہ ابھی تو آپ نے مجھے واپس کر دیا تھا، بغیر اسلام لائے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا تھا پھر آپ نے یہ شرط کیوں ہٹادی؟ اسلام لانے کی شرط کے بغیر مجھے روٹی کیوں کھلائی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے مالک اور خالق نے جو تمہیں ستّر برس سے حالت کفر میں روٹی دے رہا ہے اس نے مجھے تنبیہ کی ہے کہ میں تو اسے ستّر سال سے روٹی دے رہا ہوں اور تم اسے ایک وقت کی روٹی بھی نہیں دے سکتے۔ لٰہذا میں اپنے اللہ کے حکم کے مطابق بلا شرط آپ کو کھانا کھلاتا ہوں، آپ کو اپنا مہمان بناتا ہوں۔ جب مجوسی نے پیغمبر کی زبان سے یہ بات سنی تو رونے لگا، اس کے دل میں نور داخل ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں ایسے کریم مالک پر ایمان لاتا ہوں۔ آہ! جس کے دل پر وحی اترتی ہے اس کی زبان میں کیا اثر ہوتا ہے ؎

جی اٹھے مردے تیری آواز سے
پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

گناہ گاروں سے نفرت حرام ہے

ہمارے اکابر اور بزرگانِ دین گناہ گاروں سے بھی محبت کرتے ہیں، یہ محبت وجہ بن جاتی ہے ان کی ہدایت کی۔ اور ان سے اس لیے بھی نفرت نہیں کرتے کیوں کہ اپنا ہی حال نہیں معلوم کہ کل قیامت کے دن کیا حال ہو گا؟ جس کو اپنا حال معلوم نہ ہو وہ دوسرے کو کمتر کیسے سمجھ سکتا ہے؟

میں نے ایک صاحب کے بارے میں اپنے شیخ ثانی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کو خط لکھا کہ مجھے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں صاحب میں کچھ تکبر ہے اگر میں بھی ان سے ایسے ہی ملوں یعنی تواضع سے نہ ملوں کیوں کہ تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ اور عبادت ہے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ کیا آپ کو اپنے خاتمے کے بارے میں اطمینان ہے کہ اچھا ہو گا؟ اسی لیے مشائخ کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے، ہر علم کے ساتھ، ہر عمر کے ساتھ بلکہ ہر آن بڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بعض وقت اپنی نگاہ وہاں تک نہیں

پہنچتی جہاں تک اکابر کی نظر پہنچتی ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ کیا آپ کو اپنے خاتمے پر اطمینان ہے ؟ بس یہ پڑھ کر میں دل میں ڈر گیا اور ساری دنیا کے لوگ اپنے سے اچھے لگنے لگے۔

جس شخص کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ معلوم نہیں ہمارا خاتمہ کیسا لکھا ہے ؟ جس کو یہ غم رہے گا وہ کبھی کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھے گا۔ حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی کسی کے عیب پر نظر پڑ جائے، کسی گناہ پر نظر پڑ جائے، اس کی برائی پر نظر پڑ جائے اس وقت یہ سوچنا اور یہ خیال رکھنا واجب ہے کہ شاید اس کا کوئی عمل ایسا بھی ہو جو اللہ کے یہاں مقبول ہو اور یہ جنتی ہو اور شاید میرا کوئی عمل اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو جس کی وجہ سے میرا حال خراب ہو جائے۔ اور یہ سوچنا واجب کیوں ہے ؟ کیوں کہ ایک مسلمان کی برائی پر، اس کے گناہ پر نظر پڑ گئی اور دل میں اس کی تحقیر، اس کی حقارت آگئی اور کسی مسلمان کو اپنے سے حقیر سمجھنا حرام ہے لہٰذا اب اس کا علاج کرنا واجب ہو گیا ہے۔ اس کا نام فقہ الافکار ہے، یہاں اعمال کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے، افکار کی اصلاح ہو رہی ہے، خیالات کی اصلاح ہو رہی ہے۔ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر قلب میں ایسا خیال آسکتا ہے کہ دیکھو یہ گناہ میں مبتلا آدمی گھٹیا ہے اور میں بڑھیا ہوں۔ اپنے کو بڑھیا سمجھنا اور دوسرے مسلمان کو گھٹیا سمجھنا حرام ہے۔ گناہ سے نفرت ہونا اور بات ہے مگر گناہ گار سے نفرت نہیں ہونی چاہیے۔

اس کی مثال حکیم الامّت حضرت تھانوی یہ دیتے ہیں کہ جیسے کوئی حسین خوبصورت شہزادہ ہے مگر روشنائی منہ پر لگا کر آگیا تو روشنائی سے تو نفرت کرو مگر اس کے چہرے سے نفرت نہ کرو، جب صابن سے منہ دھو کر کے چمکتا ہوا چاند جیسا چہرہ لے کر آئے گا پھر کیا کرو گے۔ اس کے مقابلے میں آپ کیا ہیں ؟ اسی طرح ہو سکتا ہے یہ گناہ گار بھی توبہ کر لے اور توبہ وندامت کی راہ سے ولی اللہ ہو جائے اور تم حقارت کی راہ سے مردود ہو جاؤ۔ ابھی آپ نے اس کا عیب دیکھا اور ابھی وہ جا کر توبہ کر لیتا ہے کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، مجھے معاف کر دیجیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے **اَلتَّآئِبُ حَبِیْبُ اللہِ**[۴] اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ وہ تو اللہ کا محبوب ہو گیا اور آپ اللہ کے محبوب پر تبصرہ و تنقید اور اس کی تحقیر کر رہے ہیں۔ آپ

---

۴ المغنی عن حمل الاسفار: ۲/۹۸۳، کتاب التوبۃ، مکتبۃ طبریۃ، ریاض

سوچیے کہ اگر کوئی آپ کی محبوب اولاد کی اِدھر اُدھر برائی کرتا پھرے تو آپ کو غصہ آتا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ ہی معاملہ ہے، جو لوگ مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی ہوتی ہے، غیبت کرنے والے کے نیک اعمال چھین کر کے اُس کو دے دیے جاتے ہیں جس کی غیبت کی جارہی ہے۔ حدیث پاک میں ہے مَنِ اغْتِیْبَ عِنْدَہٗ اَخُوْہُ الْمُسْلِمُ وَھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِہٖ فَنَصَرَہٗ نَصَرَہُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ...الخ[۵] کوئی آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت کر رہا ہو، آپ کے سامنے کہہ رہا ہو کہ فلاں آدمی میں یہ خرابی اور یہ عیب ہے تو اگر آپ نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچانے کے لیے اس کی مدد کی اور یہ کہہ دیا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو، وہ ایسے نہیں ہیں، ہمارے سامنے ان کی برائی مت بیان کرو، ہو سکتا ہے ان کا کوئی عمل اللہ کے یہاں مقبول ہو، غرض اس کا رد کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے۔ اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی کا عیب چھپایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا عیب چھپائیں گے۔ اور اگر قدرت رکھتے ہوئے بھی اس نے مدد نہیں کی اور غیبت سن لی، چاہے غیبت کا مزہ نہ بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل فرمائیں گے۔

سکون و اطمینان صرف خدا ہی کی یاد میں ہے

میں نے جو آیت تلاوت کی تھی کہ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف پڑھی تھی کہ جو شخص گناہ سے بچتا ہے، اللہ کی ناراضگی سے بچتا ہے اور جن اعمال سے اللہ ناراض ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیتا ہے، صرف اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے اپنے نفس کی لذّت کو، معاشرے میں اپنی عزت و آبرو کو اور اپنے عیش کے تمام وسائل کو چھوڑ دیتا ہے تو ایسے متقی شخص کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنِ اتَّقَی اللہَ عَاشَ قَوِیًّا وَسَارَ فِیْ بِلَادِہٖ اٰمِنًا جو اللہ سے ڈر کر رہتا ہے وہ جس شہر میں جائے گا سکون سے رہے گا۔ دنیا کی زمین پر جہاں بھی رہے گا سکون سے رہے گا۔ سمندر میں ہو یا خشکی پر ہو، ہوائی جہاز میں ہو یا زمین اور

۵۔ مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۱۷۸(۲۰۲۵۸)، باب الاغتیاب والشتم، المکتب الاسلامی

آسمان کے درمیان چل رہے ہو جہاں بھی رہو گے ان شاء اللہ امن و سکون سے رہو گے، کیوں کہ تقویٰ سے قلب کو قوّت رہتی ہے اور گناہ سے قلب میں کمزوری آجاتی ہے اور دل میں پریشانی رہتی ہے۔ اللہ کی نگاہ بدلی اور دل میں پریشانی آئی کیوں کہ قلب کا سکون اللہ کے قبضے میں ہے جس سے مالک راضی ہوں بس اس کے قلب میں خوشی ہی خوشی رہتی ہے کیوں کہ اس نے تقویٰ کے ذریعے سے اپنے مالک کو خوش کردیا، جو غلام اپنے مالک کو خوش رکھتا ہے کیا مالک کے ذمے نہیں ہے کہ اس کو خوش رکھے۔

گناہوں سے بے چینی کی مثال

جو غلام اپنے مالک کو خوش رکھتا ہے تو مالک بھی اپنے غلام کو خوش رکھتا ہے۔ اور جو اپنے نفس کے لیے اور اپنا دل خوش کرنے کے لیے آنکھوں کے راستے سے گناہ کی لذّت کو درآمد کرتا ہے جس کا نام بدنگاہی ہے یا کانوں کے راستوں سے درآمد کرتا ہے جس کا نام غیبت ہے یا زبان کے راستے سے حاصل کرتا ہے جس کا نام گانا گانا ہے، ہاتھ سے کسی نامناسب جسم کو چھوتا ہے، قدموں سے چل کر کسی نامناسب جگہ پر مثلاً سینما دیکھنے یا کسی ناجائز تعلقات کے لیے جاتا ہے، حالاں کہ اس تعلق سے خدا خوش نہیں ہے، یہ اپنے نفس کی تشنگی کے لیے جارہا ہے کہ چلو بھائی سینما دیکھ لیں یا کسی نامحرم سے کچھ بات کرلیں، گپ شپ لڑالیں۔ غرض اسی طرح گناہ کی ایک ایک مثال سمجھ لو، تو اس کا تعلق مع اللہ صحیح نہیں ہے۔ جو شخص اپنے نفس اور اپنے قلب کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور اللہ کی نافرمانی سے نہیں بچتا اس کا گناہ کی راہ میں اٹھنے والے پہلے قدم سے ہی قلب کا سکون چھن جاتا ہے۔ حکیم الامّت حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ میں ایک دفعہ ریل میں ''رُڑکی'' جارہا تھا، ایک بڑے میاں اس ریل میں غلطی سے بیٹھ گئے، انہیں دوسری ریل میں جانا تھا، ہماری ریل مغرب کی طرف جارہی تھی اور ان کی ریل مشرق کی طرف جارہی تھی، جب گاڑی چھوٹ گئی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ ریل کہاں جارہی ہے؟ میں نے کہا کہ یہ تو ''رُڑکی'' جارہی ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے تو دوسری ریل سے جانا تھا۔ اب انہیں بے چینی شروع ہوگئی، ہر سیکنڈ ان کی پریشانی میں اضافہ ہورہا تھا، جیسے جیسے منزل سے دور ہورہے تھے اور ریل مخالف سمت میں بڑھ رہی تھی ان کی

پریشانی بھی بڑھ رہی تھی۔ حضرت حکیم الامّت نے فرمایا کہ میں نے بڑے میاں سے کہا کہ آؤ ذرا کچھ بات چیت کریں۔ انہوں نے کہا کہ میاں آپ کو بات چیت کی پڑی ہے یہاں دل کا سکون چھنا ہوا ہے کیوں کہ میں منزل سے دور ہوتا جارہا ہوں، کاش کوئی اسٹیشن آتا اور ہم جلدی سے اتر کر دوسری ریل پکڑ لیتے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جو قدم اللہ کی ناراضگی اور گناہوں کی طرف جارہا ہے تو پہلے ہی قدم سے پریشانی شروع ہوجاتی ہے، قلب کا سکون چھن جاتا ہے، حالاں کہ شیطان نے پٹی پڑھائی تھی کہ ارے بھائی دل میں مزہ آئے گا، جب کہ دل کو مزہ نہیں ملتا سزا ملتی ہے، اللہ اسی وقت سکون چھین لیتا ہے۔

گناہوں میں تلاشِ سکون حماقت ہے

اگر کوئی کہتا ہے کہ گناہوں سے سکون ملتا ہے تو میرے پاس گناہوں سے چین چھن جانے کی اتنی مثالیں اور اتنے واقعات ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ لکھنو کے رہنے والے ایک صاحب جن کے بہت خوبصورت بچے تھے، ململ کی پھول دار چکن کے کپڑے پہنتے تھے اور اونچے گریڈ کے آفیسر تھے لیکن اللہ کی نافرمانی کی زندگی میں مبتلا ہوگئے۔ حسینوں کے ساتھ مزے اُڑانے کی زندگی کو اختیار کرنے کے بعد ان کی نیند غائب ہوگئی اور کہنے لگے کہ نیند نہیں آتی ہے۔ میں نے کہا کہ پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگے کہ ولیم ٹو کھائی تھی، اب اس سے بھی نیند نہیں آرہی ہے تو اب ڈاکٹر لوگ ولیم فائیو کھلا رہے ہیں۔ چھ مہینے بعد وہی صاحب آئے اور کہا کہ اب تو ولیم فائیو بھی بے کار ہوگئی ہے۔ اب مجھے بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں۔ جب سسر صاحب نے دیکھا کہ اس کی تو آنکھیں چڑھی ہوئی رہتی ہیں، نیند نہیں آتی، پاگل ہورہا ہے تو وہ ڈر گئے کہ کہیں میری بیٹی کی پٹائی نہ کردے، معلوم نہیں بچوں کے ساتھ کیا سلوک کرے، وہ داماد کے پاس سے اپنی بیٹی اور نواسے لے گئے۔ آخر کار وہ صاحب پاگل ہونے کے قریب ہوگئے۔

گناہ دوزخ کی شاخ ہے

میرے دوستو! اللہ کی نافرمانی کا پہلا قدم ہی تباہی کا ہے، جیسے جہنم میں سکون نہیں ہے ایسے ہی گناہ گار کو بھی سکون نہیں ہے۔ ہر وقت گناہوں میں ملوث رہنے والا نفس دوزخ کی شاخ

ہے۔ جیسے آدمی کسی بینک کی شاخ میں رقم رکھتا ہے تو وہ رقم ہیڈ آفس تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے ہی دوزخ بھی گناہوں کا ہیڈ آفس ہے اور گناہ گار نفس اس کی شاخ اور برانچ ہے۔ دوزخ کو کس چیز سے سکون ملا تھا؟ دوزخیوں سے نہیں ملا تھا۔ جب سارے دوزخی دوزخ میں بھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے دوزخ تیرا پیٹ بھر گیا؟ دوزخ نے کہا هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ[۶] اللہ میاں کوئی اور دوزخی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوزخی تو سارے ختم ہوگئے۔ دوزخ نے کہا کہ میرا پیٹ تو نہیں بھرا۔ تو اللہ نے اس پر اپنا قدم رکھ دیا یعنی اپنی ایک خاص تجلّی نازل فرمادی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ نے اپنا قدم رکھا تو دوزخ نے کہا قَطْ قَطْ[۷] اے اللہ بس بس میرا پیٹ بھر گیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طریقے سے دوزخ کا پیٹ دوزخیوں سے نہیں بھرا تمہارے نفس کی دوزخ کا پیٹ بھی گناہوں سے نہیں بھرے گا۔ ایک گناہ کروگے تو دس کو دل چاہے گا، ایک ٹیڈی پر نظر پڑے گی تو دس کو اور دیکھنے کو دل چاہے گا، ایک دفعہ بدنگاہی کروگے تو ہزاروں دفعہ کی بدنگاہی سے بھی سکون نہیں ملے گا، گناہ کرتے کرتے جنازہ نکل جائے گا، قبرستان میں چلے جاؤ گے، قبر کے اندر دوزخ کی کھڑکی کھول دی جائے گی اور پسلیاں ایک دوسرے کے اندر گھس جائیں گی، عذاب تک پہنچ جاؤ گے لیکن قلب کو سکون نہیں ملے گا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، نہ قبر میں نہ پل صراط پر اور نہ میدانِ محشر میں۔ اللہ کو ناراض کرنا معمولی بات نہیں ہے، منافق ہی گناہ کی ناراضگی کو معمولی سمجھتا ہے، مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کو معمولی بات سمجھے، جس کے قلب میں اللہ کی بڑائی اور عظمت نہیں ہوتی وہی گناہوں کو معمولی سمجھتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے گناہوں کی عادتوں والو!

گر گرفتار صفاتِ بد شدی
ہم تو دوزخ ہم عذاب سرمدی

اگر تم گناہ کی کسی ایک عادت میں بھی مبتلا ہو تو تمہاری ذات خود دوزخ ہوچکی ہے، تمہاری ذات

[۶] ق:۲۶

[۷] صحیح البخاری: ۲/۷۱۹، (۴۸۶۲)، کتاب التفسیر، سورۃ ق باب قولہ "وتقول هل من مزيد"، المكتبة المظهرية

پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گی، جب اللہ کی نظر بدل جائے گی تو کہیں چین نہ پاؤ گے ؎

نگاہِ اقربا بدلی مزاج دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا

مال و دولت ذریعۂ سکون نہیں

جس سے خدائے تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں واللہ وہ دنیا میں کہیں چین نہیں پا سکتا، خوب سمجھ لو، خوب سمجھ لو، گناہ گاروں کے ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سے دھوکا نہ کھاؤ، ان کی کاروں اور ان کے مرغ ملائی سے دھوکا نہ کھاؤ، ان کے قلوب کا تجزیہ کرو، ان کے قلوب پر ریسرچ کرو، ان کی جانیں عذاب میں مبتلا ہیں، ان کو کہیں چین نہیں ہے۔ ایک دن میرے شیخ اوّل حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا جو دو ملوں کا مالک تھا، ایک مل لاہور میں اور ایک کراچی میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے حضرت جی سے دعا کرا دیجیے، میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ کی تو دو دو ملیں چل رہی ہیں، پانچ چھ گاڑیاں ہیں، مزے ہی مزے ہیں۔ کہنے لگے کہ کچھ نہ پوچھیے، ایسی پریشانی ہے کہ خودکشی تک کے خیالات آتے ہیں۔ دوستو! کہاں تک واقعات سنو گے بلکہ واقعات سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن میں اعلان ہے وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا[۸] جو میری نافرمانی میں مبتلا ہو گا میں اس کی زندگی تلخ کر دوں گا، اس کو کڑوی زندگی دوں گا، اس کو پریشانی والی زندگی دوں گا۔ اب کس واقعہ کا انتظار ہے؟ کلام اللہ کے نازل ہونے کے بعد کسی ریسرچ اور تجربے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دل اللہ سے ہٹا تو پریشانی شروع ہو جاتی ہے، مچھلی پانی سے نکلی تو پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔

گناہ کا علاج مزید گناہ کرنا نہیں ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کے راستوں سے لذّتوں کو امپورٹ کرنے والو! اگر تم سکون چاہتے ہو تو آنکھیں کھول لو، تمہارے نفس کا

۸ طٰہٰ: ۱۲۴

پیٹ دوزخ ہے، گناہوں سے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا، آگ سے آگ بڑھے گی اور پریشانی پر پریشانی ہوگی۔ پھر سکون حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سکون حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے جس سے دوزخ کو سکون ملا تھا۔ دوزخ کو کس چیز سے سکون ملا تھا؟ جب اللہ کا قدم اس پر آیا تھا۔ اور تمہارے نفس کے دوزخ کو سکون کس سے ملے گا؟ گناہوں سے نہیں ملے گا۔ کوئی شخص ایک کروڑ گناہ کرلے لیکن پریشان رہے گا۔ پھر سکون کس سے ملے گا؟ بس اسی حدیث کو سامنے رکھو کہ دوزخ کی آگ کو سکون ملا اللہ کی تجلّی سے۔ نفس کی شہوتوں اور بری بری خواہشات کی آگ کا علاج گناہ کی آگ نہیں ہے، آگ سے آگ بڑھتی ہے لہٰذا اللہ کے قدم کو دل میں لاؤ۔ مگر کیسے لاؤ گے؟ بس اللہ کا نام لینا شروع کردو اور اللہ والوں کے مشورے سے ان کی صحبتوں میں آنا جانا رکھو، ان شاء اللہ اللہ کا نام لینے کی توفیق سے ایسا مزہ آئے گا اور ایسا سکون ملے گا کہ بزبان حال میرا یہ شعر پڑھو گے۔

آتی نہیں تھی نیند مجھے اضطراب سے
تیرے کرم نے گود میں لے کر سلا دیا

ایک صاحب مشرقِ وسطیٰ میں رہتے ہیں، کسی حسین کے عشق میں مبتلا ہوگئے، پھر ان کو میری کتاب ”روح کی بیماریاں اور ان کا علاج“ ان کے کسی دوست نے دے دی، اس کو پڑھ کر انہوں نے اس پر عمل شروع کردیا۔ پہلے ان کو چھ مہینے سے نیند نہیں آرہی تھی اور وزن بھی بیس پاؤنڈ کم ہوگیا تھا، پھر ایسا سکون ملا کہ نیند آنے لگی، تب انہوں نے میرا ہی شعر مجھے لکھا۔ حالاں کہ میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، جان پہچان بھی میری کتاب کے ذریعے سے تھی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں نے تمہاری کتاب کا مطالعہ کیا تو گویا دوزخ سے نکل کر جنّت میں داخل ہوگیا اور سکون کی زندگی پاگیا اور میرا ہی شعر مجھ کو لکھا۔

آتی نہیں تھی نیند مجھے اضطراب سے
تیرے کرم نے گود میں لے کر سلا دیا

ماؤں کی محبت خدا کی ادنیٰ بھیک ہے

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حرم کعبہ کے اندر ڈھائی تین سال کا ایک چھوٹا

بچہ گُم ہوگیا۔ اس کی ماں بلک بلک کر رورہی تھی اور بچہ بھی چیختے جارہا تھا۔ اب عرب سپاہی پریشان ہیں کہ چھ لاکھ کے اتنے بڑے مجمع میں اس کی ماں کو کہاں تلاش کریں۔ لاؤڈ اسپیکر سے بھی بار بار اعلان ہورہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی نے اس بچہ کو گود میں اوپر اٹھالیا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ بس ماں فوراً دوڑی ہوئی آئی اور اس بچے کو جو چیخ رہا تھا جیسے ہی گود میں لیا تو وہ فوراً خاموش ہوگیا، اس کی ساری چیخ وپکار ختم ہوگئی، ماں کی گود میں پہنچتے ہی اسے سکون مل گیا، جب کہ اس سے قبل میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ بہت سی ماؤں نے اس بچے کو اپنی گود میں لے کر تھپکی دی کہ بیٹے مت رو، تمہاری امّاں تمہیں مل جائے گی لیکن وہ بچہ رونے سے، چیخنے چلانے سے نہیں رُکا مگر جب اس کو اپنی ماں مل گئی تو اس کی گود میں جاتے ہی سو گیا۔

دوستو! ساری دنیا تمہیں گود میں لے لے لیکن اگر اللہ کی آغوشِ رحمت سے دور ہوگئے، اپنے ربّ، اپنے مالک، اپنے پیدا کرنے والے سے دور ہوگئے تو ماں کیا حقیقت رکھتی ہے ساری دنیا کی گود تمہیں سکون نہیں دے سکتی۔ مولانا رومی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو مخاطب فرمارہے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

اے دنیا والو! اے ماؤں کی محبت پر ناز کرنے والو! ماؤں کو محبت کرنا تو میں نے ہی سکھایا ہے، اگر میں ماں کے دل میں محبت پیدا نہ کرتا تو یہ ہی ماں اپنے بچوں کو بھون کر کھا جاتی۔ لیکن اللہ نے ماؤں کے دلوں میں رحم پیدا فرمادیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ماؤں کو اتنی محبت دی ہے تو خود میری محبت کی شمع کیسی روشن ہوگی۔ ماؤں کی محبت اور ممتا پر ناز کرنے والو! اللہ تعالیٰ کی رحمت ماؤں کی محبت سے ننانوے گنا زیادہ ہے۔ ماں کی محبت تو میری محبت کی ایک بٹا سو ہے، میری محبت کا صرف ایک حصہ سارے عالم کی ماؤں میں تقسیم ہوا ہے۔ جس طرح ماں سے دور ہوکر بچہ چین نہیں پاتا اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دور ہوکر ہم بھی چین نہیں پاسکتے۔ لہٰذا نفس اور شیطان کے کہنے میں نہ آؤ، اپنی آنکھوں کی اصلاح کراؤ، اپنے کانوں کی اصلاح کراؤ، اپنے دل کی اصلاح کراؤ۔ اس کے لیے مصلحین اور روحانی ڈاکٹر جگہ جگہ موجود ہیں، جس کو جہاں مناسبت ہو، جس کو جس سے محبت ہو اس کے پاس جائے، اس سلسلے میں بے فکری نہ دِکھائے۔

ایک فیصد گناہ بھی بے چین کرنے کے لیے کافی ہے

اگر آپ اللہ کے ننانوے فی صد فرماں بردار ہیں لیکن ایک فی صد بھی گناہ کرنے کی عادت ہے تو یاد رکھو اگر جسم کا ننانوے فیصد حصہ صحت مند ہو مگر انگلی پر ذرا سا کانٹا چبھ جائے تو چین نہ پاسکو گے۔ حالاں کہ پر سنٹیج یعنی فیصد کی اکثریت کے لحاظ سے آپ کا جسم صحت مند ہے، بس انگلی پر ذرا سا کانٹا چبھ گیا ہے، اب ہائے ہائے کر رہے ہو اور اس کی وجہ سے سارا جسم پریشان ہے۔ اسی طرح اگر ننانوے فیصد فرماں برداری کے باوجود بدنگاہی کی عادت ہے، گانا سننے کی عادت ہے، چچا زاد بہن، خالہ زاد بہن، ماموں زاد بہن سے گپ شپ لڑانے کا اور بے پردگی کا مرض ہے، ماں باپ کو ستانے اور ان سے بدتمیزی کرنے کا مرض ہے یا بیوی پر ظلم کرنے کا اور شوہر سے بدتمیزی کرنے کی عادت ہے۔ غرض کہیں بھی اللہ کے حقوق یا اللہ کے بندوں کے حقوق میں فرق آرہا ہے تو سمجھ لو کہ چین چھین جائے گا اور سکون نہیں ملے گا۔

اللہ کی فرماں برداری شرافتِ بندگی ہے

میرے دوستو اللہ تعالیٰ کا سو فی صد فرماں بردار بننا ہم پر فرض ہے اور ان کو ذرا سا بھی ناراض رکھنا حرام ہے۔ یہ نہ سوچو کہ تھوڑا سا ناراض کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ دنیاوی محبت ہی کو سوچو کہ دنیاوی محبت میں بھی کوئی اپنے محبوب کو ذرا سا بھی ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ بدایوں کے رہنے والے شاعر فانی بدایونی کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ وہ کچھ ناراض ہوگئی تو یہ اس کی محبت میں کہتا ہے ؎

ہم نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

یعنی میری محبوبہ بیوی ذرا بھی ناراض ہوجاتی ہے تو مجھے صرف اپنی نہیں بلکہ ساری کائنات کی نبض ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کیوں صاحب کیا اللہ کی محبت کا یہ ہی حق ہے کہ ان کو تھوڑا سا بھی ناراض رکھا جائے؟ ارے پناہ مانگتے رہو، اگر خطا ہوجائے تو رو رو کر ان کو جلدی سے راضی کرلو، ذرا بھی دیر نہ کرو۔ بعض لوگ گناہ کرکے توبہ کرنے میں دیر کرتے ہیں کہ دو چار گناہ اور کرلیں پھر

اطمینان سے توبہ کریں گے، اگر ابھی توبہ کرلی تو دوسرا گناہ کیسے کریں گے؟ مثال کے طور پر کسی کو گلشن اقبال سے بندر روڈ جانا ہے، اب گرومندر پر اس کی کہیں نظر خراب ہوگئی، وہ کہتا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر میں توبہ کرتے ہیں، پھر ہر اسٹاپ پر شیطان یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ کیماڑی تک جانا ہے کسی حسین شکل کو نہ چھوڑو، جب گھر جاکر ظہر کی نماز پڑھنا پھر اکٹھی توبہ کرلینا۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ راستے میں ایکسیڈنٹ ہوجائے، ہوسکتا ہے کہ ہارٹ فیل ہوجائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کو دیر تک ناراض رکھنا شرافت کے بھی خلاف ہے، لہٰذا اگر لرزش ہوگئی تو فوراً توبہ کرلو، استغفار کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرو، بعض اوقات اسی حالت میں موت آگئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کو جس حالت میں موت آئے گی قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

گناہ کب لکھا جاتا ہے؟

علامہ ابن ہمام جنھوں نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر لکھی ہے، انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے لکھا نہیں جاتا اگرچہ نیکی کا فرشتہ تین مرتبہ کہتا ہے **اُکْتُبْ** اسے لکھ لو، مگر برائی لکھنے والا فرشتہ کہتا ہے **لَا لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَيَتُوْبَ** شاید کہ یہ اللہ سے مغفرت مانگ لے اور توبہ کرلے۔ اگر یہ جلدی معافی مانگ لے تو اس کا گناہ لکھا بھی نہیں جائے گا ان شاء اللہ۔ اگر کسی نامحرم پر نظر پڑ گئی اور ٹھہر بھی گئی، اچانک پڑ جانا تو معاف ہے لیکن اگر تھوڑی دیر ٹھہر بھی گئی تو جلدی سے توبہ کرلو کہ یااللہ مجھے معاف کردیجیے، خطا ہوتے ہی فوراً کہہ دیا **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ**، تو اب گناہ لکھا ہی نہیں جائے گا ورنہ لکھ لیا جائے گا۔ اگر بندہ فرشتے کے تیسری مرتبہ کہنے تک بھی توبہ نہیں کرتا تو فرشتہ وہ گناہ لکھ لیتا ہے اور گناہ لکھے جانے کے ساتھ ہی معصوم فرشتہ کی بددعا بھی مل جاتی ہے، وہ فرشتہ کیا بددعا دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے **اَرَاحَنَا اللّٰهُ مِنْهُ** اللہ مجھے اس سے آرام دے کیوں کہ اس کی نافرمانی سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ **بِئْسَ الْقَرِيْنُ** یہ بڑا ہی برا ساتھی ہے۔ فرشتہ کی زبان سے آپ کو نالائقی کا اور برے ساتھی کا خطاب ملا۔ فرشتہ کہہ رہا ہے **اَرَاحَنَا اللّٰهُ مِنْهُ** اللہ مجھے اس سے آرام دے۔ مطلب یہ ہوا کہ فرشتے نے بددعا کردی کہ اللہ اسے موت آجائے، یہ برا ساتھی مرجائے، اس کے جینے کا کیا فائدہ؟ پھر افعال تعجب کے ساتھ کہتا ہے، **مَا اَقَلَّ**

مُرَاقَبَتَہٗ لِلّٰہِ اس کا اللہ کے ساتھ مراقبہ کتنا کم ہے یعنی اس کو خدا تعالیٰ کا ذرا بھی دھیان و خیال نہیں آتا اور پھر کہتا ہے وَاَقَلَّ اسْتِحْیَاءَہٗ مِنَّا[۹] اور اس کو مجھ سے بھی شرم نہیں آتی کہ میں اس کا ہر وقت کا ساتھی ہوں۔

ذکر سے کیا مراد ہے؟

تو میرے دوستو اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے۔ اور ذکر کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کو بھی سمجھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ[۱۰] اے ایمان والو! تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ یہ مطلب نہیں ہے کہ مسجد میں جماعت سے نماز سے ہو رہی ہے اور یہ تسبیح لیے اپنے گھر میں بیٹھا اللہ اللہ کر رہا ہے، یہاں ذکر سے یہ مراد نہیں ہے۔ ذکر کی تعریف مفسرین حضرات یہ کرتے ہیں اُذْکُرُوْنِیْ بِالْاِطَاعَۃِ اَذْکُرْکُمْ بِالْعِنَایَۃِ[۱۱] یعنی تم ہمیں یاد کرو ہماری اطاعت اور ہماری فرماں برداری کے ساتھ، ہمارا ذکر ہماری فرماں برداری کے ساتھ ہے، یہ نہیں کہ باپ بیمار ہے اور بیٹے صاحب مراقبہ میں بیٹھے ہیں، اشراق پڑھ رہے ہیں، اوّابین پڑھ رہے ہیں اور ابّا چلّا رہے ہیں، دردِ گردہ میں مبتلا ہیں، کہتے ہیں کہ جلدی دوا لاؤ اور یہ کہتا ہے کہ میں بغیر اوّابین پڑھے نہیں جاؤں گا اور آیت فَاذْکُرُوْنِیْٓ پیش کر رہا ہے، حالاں کہ اس وقت اللہ کا ذکر یہ ہی ہے کہ ابّا کے لیے دوا لے کر آؤ۔

ایسے ہی اگر کوئی بے پردہ عورت سامنے آگئی تو اس کو دیکھ بھی رہا ہے اور تسبیح بھی پڑھ رہا ہے، یہ ذکر نہیں ہے کیوں کہ یہ معاملہ اطاعت کے خلاف ہو گیا۔ اسی طرح بوڑھی امّاں پان دان لیے ہوئے ٹی وی کے سامنے بیٹھی ہیں اور ہاتھ میں تسبیح بھی ہے، یہ کون ساذکر ہے کہ نافرمانی بھی ہو رہی ہے اور ذکر بھی جاری ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ میں قید ہے کہ یاد اطاعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ کے یہاں وہ ہی ذکر قبول ہے جو اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ ہو۔

---

۹ فتح القدیر لابن الھمام: ۳۲۱/۱، باب صفۃ الصلٰوۃ، دار الفکر، بیروت

۱۰ البقرۃ: ۱۵۲

۱۱ تفسیر بیان القرآن: ۸۶/۱، البقرۃ (۱۵۲)، ایچ ایم سعید

خدا کا بندوں کو یاد کرنے کی تفسیر

اَذْکُرْکُمْ کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں اَذْکُرْکُمْ بِالْعِنَایَۃِ یعنی ہم تمہیں یاد کریں گے اپنی عنایت کے ساتھ۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ میاں ہمیں آسمان پر تو خوب یاد کریں مگر ہمیں کھانے کو نہ دیں اور گردے میں پتھری پڑی ہے پیشاب نہیں اتر رہا ہے پھر ہمیں اللہ میاں کی یاد سے کیا فائدہ؟ اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں اَذْکُرْکُمْ میں اللہ کا وعدہ ہے کہ میں تمہیں یاد کروں گا، پھر تفسیر کے لیے ایک لفظ بِالْعِنَایَۃِ بڑھا دیا یعنی ہم تمہیں یاد کریں گے اپنی عنایات کے ساتھ۔ تم ہمیں یاد کرو اپنی اطاعت کے ساتھ تو ہم تمہیں یاد کریں گے اپنی عنایت کے ساتھ یعنی تم پر اپنی عنایت کریں گے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر ایک اشکال ہو سکتا تھا کہ خدا تو سب کو یاد رکھتے ہیں، کافر کو بھی، مجرم کو بھی، فرعون کو بھی، نمرود کو بھی اللہ تو کسی کو نہیں بھولتے، بھولنا خدا سے بعید ہے کیوں کہ بھولنا نقص ہے اور خدا ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، وہ تو سب کو یاد رکھتے ہیں، مسلمانوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔ یہاں یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ان کی اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ ان کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی عنایات کے ساتھ یاد رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا آیت اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ میں جو وعدہ ہے کہ جو ہمیں یاد کرے گا ہم اس کے قلب کو چین عطا کریں گے، اس کے قلوب کو سکون ملے گا۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اپنے شیخ اور بزرگوں سے پوچھ کر بہت وظیفے پڑھتے ہیں مگر پھر بھی ہمارا دل پریشان رہتا ہے، سکون حاصل نہیں ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اللہ کا ذکر پوری فرماں برداری کے ساتھ کر رہا ہے پھر بھی اس کے قلب میں بے چینی، بے سکونی، بدحواسی اور پریشانی ہے تو سمجھ لو کہ یہ کوئی بد پرہیزی بھی کر رہا ہے کیوں کہ ہر چیز کے ساتھ شرط محذوف ہوتی ہے، اِذَا ثَبَتَ الشَّیْئُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ ہر شے جب ثابت ہوتی ہے مع اپنے لوازم کے ثابت ہوتی ہے مثلاً اگر طبیب کہتا ہے کہ موتی کا خمیرہ یعنی خمیرہ مروارید دل کو طاقت دیتا ہے تو وہاں یہ شرط محذوف ہوتی ہے کہ سنکھیا نہ کھاؤ۔

والدین کو ستانے کا وبال

اگر اللہ کا ذکر تو کر رہے ہو مگر نافرمانی میں بھی مبتلا ہو مثلاً ماں باپ کو ستا رہے ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کُلُّ الذُّنُوبِ یَغْفِرُ اللّٰہُ مِنْہُ مَاشَاءَ اِلَّا عُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیَاۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ[۱۲] اور گناہوں کی سزا تو مرنے کے بعد ملتی ہے لیکن ماں باپ کو ستانے والا دنیا میں سزا پائے بغیر مر نہیں سکتا۔ اگر اس نے اپنے ماں باپ کو راضی نہیں کیا۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے اِنَّ الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاہُ اَوْ اَحَدُھُمَا وَ اِنَّہٗ لَھُمَا لَعَاقٌّ فَلَا یَزَالُ یَدْعُوْلَھُمَا وَ یَسْتَغْفِرُ لَھُمَا حَتّٰی یَکْتُبُہُ اللّٰہُ بَارًّا[۱۳] اگر کسی کے ماں باپ اس سے ناراضگی کی حالت میں دنیا سے گئے اور وہ خوب قرآن پڑھ کر ثواب بخشے، ان کے لیے صدقۂ جاریہ میں حصہ لے، ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے، ان کو ایصالِ ثواب کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک اور فرماں بردار اولاد میں لکھ لے گا۔

قطع تعلق کی سزا

دوسری بات یہ ہے کہ ذکر اور تسبیح تورات دن کرتا ہے لیکن خون کے رشتوں کو کاٹا ہوا ہے، سگے بھائی سے لڑا ہوا ہے، بات بھی نہیں کرتا، خالہ سے لڑا ہوا ہے، خالہ کے گھر نہیں جاتا، نانی سے لڑائی کی ہوئی ہے، سسرال والوں اور سالوں سے بھی لڑائی ہے۔ تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ سسرال کا حق ادا کرنا، سسر اور سالوں کے ساتھ اچھے سلوک کے ساتھ پیش آنا یہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہے، جس طرح ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا واجب ہے، سسرالی رشتے داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا واجب ہے۔ چنانچہ صلہ رحمی کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی کی حقیقت کیا ہے؟ اَلْاِحْسَانُ اِلَی الْاَقْرَبِیْنَ مِنْ ذَوِی النَّسَبِ وَالْاَصْھَارِ[۱۴] سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، صلہ رحمی کرنا ان کے

---

[۱۲] شعب الایمان للبیہقی: ۲۸۸/۱۰ (۷۵۰۵)، باب بر الوالدین، مکتبۃ الرشد

[۱۳] شعب الایمان للبیہقی: ۲۹۸/۱۰ (۷۵۲۴)، باب بر الوالدین، مکتبۃ الرشد

[۱۴] مرقاۃ المفاتیح: ۱۳۱/۹، باب البر والصلۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

حقوق میں شامل ہے۔

اب آپ لاکھ ذکر کریں، اشراق واوّابین پڑھیں اور ضربیں لگائیں لیکن اگر خون کے رشتوں کو کاٹے ہوئے ہیں، صلہ رحمی نہیں کرتے تو آپ کی دعا ہی قبول نہیں ہو رہی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو دنیاوی رنجش کے باعث خون کے رشتے کو کاٹے ہوئے ہے، دینی رنجش تو مستثنیٰ ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی قادیانی ہو جائے، مرتد ہو جائے تو اس کے بارے میں علماء سے پوچھ لیجیے۔ لیکن اگر دنیاوی رنجشوں سے مثلاً آپس میں خواہ مخواہ کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں سے رنجش ہو گئی جیسے آپ کسی شرعی عذر کی وجہ سے کسی کی شادی بیاہ میں شریک نہیں ہوئے، اب وہ ناراض ہو رہے ہیں، بات چیت بند کر دی، قطع تعلق کر رہے ہیں۔ اگر یہ قطع تعلق کرنے والا شخص اللہ کے یہاں گڑگڑا گڑگڑا کر بھی دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول نہیں ہو گی۔ جو خون کے رشتوں کو کاٹے ہوئے ہے نہ صرف یہ کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی بلکہ کسی مجمع صالحین میں اگر ایسا شخص بیٹھا ہے جو اپنے خون کے رشتوں کو بلا عذر شرعی کاٹے ہوئے ہے تو صالحین کے اس پورے مجمع کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

عرفہ کا دن ہے، حج کا زمانہ ہے، صحابہ کرام جیسے مقدس لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما رہے ہیں کہ مجھے ایک دعا کرنی ہے، اس مجمع میں کوئی شخص خون کا رشتہ کاٹنے والا ہو تو وہ یہاں سے چلا جائے، ورنہ قطع رحمی کے گناہ کی نحوست سے دعا قبول نہیں ہو گی۔ ایک شخص اٹھتا ہے اور اپنی خالہ سے جا کر کہتا ہے کہ میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں، میں نے آپ سے جو قطع تعلق کیا ہے اس کو جوڑتا ہوں، آپ میرے لیے دعائے مغفرت کریں۔ جب وہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کہاں گئے تھے؟ انہوں نے سارا قصہ بتایا تو آپ خوش ہو گئے۔

خلفائے راشدین کے بعد سب سے افضل صحابی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یہ بڑے جلیل القدر، مفتی اور فقیہ صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ فجر کی نماز کی امامت کی اور فرمایا کہ آج مجھے ایک خاص دعا مانگنی ہے، اگر اس مجمع میں کوئی ایسا شخص ہو جو خون کا رشتہ کاٹے ہوئے ہو وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ اس کے گناہ کی نحوست سے میری دعا قبول نہیں ہو گی۔

صلۂ رحمی کا اعلیٰ درجہ

جب یہ آیت نازل ہوئی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ[۱۵] تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل اس کی تفسیر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تفسیر نقل کی کہ اگر آپ پر کوئی ظلم کرے تو اسے معاف کردیں، اگر کوئی آپ کو محروم کرے، عطا نہ کرے تو آپ اس کو عطا فرمائیں اور اگر کوئی آپ سے رشتہ توڑے تو آپ اس سے ناطہ جوڑیں۔

حدیث پاک میں ہے خِيَارُ اُمَّتِيْ خَمْسُ مِاَةٍ وَّ الْاَبْدَالُ اَرْبَعُوْنَ، فَلَا الْخَمْسُ مِاَةٍ يَّنْقُصُوْنَ وَ لَا الْاَرْبَعُوْنَ يَنْقُصُوْنَ، كُلَّمَا مَاتَ اَبْدَلَ اللهُ مِنَ الْخَمْسِ مِاَةٍ مَّكَانَهُ وَاَدْخَلَ فِي الْاَرْبَعِيْنَ مَكَانَهُمْ، فَلَا الْخَمْسُ مِاَةٍ يَّنْقُصُوْنَ وَلَا الْاَرْبَعُوْنَ يَنْقُصُوْنَ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ! دُلَّنَا عَلٰى اَعْمَالِ هٰؤُلَاءِ، فَقَالَ: هٰؤُلَاءِ يَعْفُوْنَ عَمَّنْ ظَلَمَهُمْ، وَيُحْسِنُوْنَ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْهِمْ، وَ يُوَاسُوْنَ مِمَّا اٰتَاهُمُ اللهُ۔[۱۶] میری امّت میں پانچ سو اولیاء اللہ ہمیشہ ایسے رہیں گے جن کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ولی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کی کرسی پر دوسرے ولی اللہ کو بٹھادیا جاتا ہے۔ ان اولیاء کی دعاؤں سے بارش ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں سے اس عالم میں بہت سے انتظامات ہوتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ ان کی پہچان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان کی پہچان یہ ہے کہ جو ان پر ظلم کرتا ہے اس کو معاف کرتے ہیں، جو ان کو اپنی عطا سے محروم کرتا ہے اس کو عطا کرتے ہیں اور جو ان سے رشتہ کاٹتا ہے اس سے جوڑتے ہیں۔ ایسا شخص جو خون کے رشتوں کو توڑے ہوئے ہے، ذرا ذرا سی بات پر رنجش اور لڑائی ہورہی ہے، بائیکاٹ ہے اور بول چال بند ہے تو نہ تو خود اس کی دعا قبول ہوگی بلکہ جس مجلس میں یہ بیٹھا ہوگا اگرچہ اس مجلس میں سارے عالم کے اولیاء اللہ جمع ہوں اور اولیاء اللہ بھی ابدال کے درجے کے اور یہ اولیاء اللہ اکٹھا ہو کر بھی دعا کریں تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

۱۵؎ الاعراف:۱۹۹

۱۶؎ کنز العمال:۱۴/۵۳(۳۴۹۱۸)،باب فی فضائل الابدال،مؤسسۃ الرسالۃ

اطمینانِ کامل کا ذریعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر کی پابندی کے باوجود اگر کسی کے قلب کو قرآن کے وعدے کے مطابق اطمینان والی زندگی عطا نہیں ہورہی ہے، اس کے قلب میں بے سکونی وپریشانی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ کوئی زہر درآمد ہورہاہے، کانوں سے کوئی گناہ ہورہا ہے، آنکھوں سے کوئی گناہ درآمد ہورہاہے۔ کان سے گناہ کرنا، غیبت سننا، گانا سننا، نامحرم عورتوں کی باتیں سننا، آنکھوں سے نامحرم عورتوں کو دیکھنا، سینما وغیرہ دیکھنا، نامناسب جگہ جانا۔ کوئی عورت خوشبو لگا کر جارہی ہے اور آپ نے زور سے سانس کھینچ کر سونگھ لیا تو یہ بھی حرام ہے، قصداً نامحرم کی خوشبو سونگھنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا ناک کو بھی گناہ کے لیے استعمال نہ کرو۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ پہاڑوں میں ایسے سانپ ہوتے ہیں جو وزنی ہونے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تو ان کی سانس میں خدا اتنی طاقت دیتا ہے کہ اگر کوئی چڑیا تین گز کے فاصلے سے بھی اڑے تو زور سے سانس کھینچتا ہے اور چڑیا اس کے منہ میں آجاتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ ناک کے راستے حرام خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔

دل جسم کا دارالخلافہ ہے اور آنکھ، ناک کان اس کی سرحدیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نفس و شیطان کا دارالخلافہ پر براہ راست حملہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ ان سارے اعضاء پر، ساری سرحدوں پر تو تقویٰ کا تالا لگائے ہوئے ہیں۔ نہ آنکھ سے کسی کو دیکھ رہے ہیں نہ کان سے گانا یا ریڈیو سن رہے ہیں نہ زبان سے غیبت کررہے ہیں، پانچوں حواس خمسہ سے متقی بنے ہوئے ہیں، ساری سرحدیں بالکل محفوظ ہیں۔ اب شیطان کہتا ہے کہ یہ صوفی تو ساری سرحدوں پر زبردست پہرا لگائے ہوئے ہے لہٰذا اس کے دارالخلافے پر حملہ کرو۔ پھر شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ کسی حسین کا تصور کرو، کسی پرانے گناہ کا تصور کرو، غرض اس کو خیالی پلاؤ میں مبتلا کردیتا ہے۔ تو دل کے اندر گناہوں کے خیال پکانے کا نام اصطلاح شریعت میں، قرآن پاک کی اصطلاح میں خیانتِ صدر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ** [۱۷] ہم آنکھوں کی چوریوں کو بھی جانتے ہیں اور سینے کی چوریوں کو بھی جانتے ہیں۔

[۱۷] المؤمن:۱۹

شاعر کہتا ہے ؎

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

سو فیصد تقویٰ پر سو فیصد چین و سکون

تو یہ عرض کر رہا تھا کہ حافظ قرآن ہو، عالم ہو یا صوفی ہو، کتنی ہی اوّابین اور تہجد و اشراق پڑھنے والا ہو، اگر ذکر کے ساتھ اللہ کی کسی نافرمانی میں مبتلا ہے، گناہ کی کسی عادت میں مبتلا ہے پھر وہ یہ شکایت نہ کرے کہ میرے قلب کو سکون نہیں ملتا۔ انسان اپنی بری عادتیں سو فیصد ترک کرے، سو فیصد متقی ہو پھر اسے سو فیصد اطمینان والی زندگی عطا ہو گی۔ جس دن آپ سو فی صد متقی ہو جائیں گے، خدا کرے وہ دن مجھ کو اور آپ کو اللہ عطا کر دے کہ ہم سب کے سب سو فی صد اللہ کے فرماں بردار ہو جائیں، ایک فی صد بھی خدائے تعالیٰ کو ناراض نہ کریں تو واللہ خدا وہ زندگی عطا کرے گا جس کا نام حیاتِ طیبہ ہے، بالطف زندگی ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ معصوم ہو جاتا ہے، اس سے کبھی گناہ نہیں ہوتا، کبھی کبھی خطا تو سرزد ہو سکتی ہے، احیاناً لرزش ہو سکتی ہے لیکن اس پر قائم نہیں رہے گا، اصرار نہیں کرے گا، اسے توبہ کی توفیق ہو جائے گی اور توبہ کرنے میں دیر نہیں کرے گا، گناہ کو غذا نہیں بنائے گا، اوڑھنا بچھونا نہیں بنائے گا، وہ گناہ سے پاخانہ پیشاب کی طرح نفرت کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کی، خدائے تعالیٰ کے دوستوں کی علامت یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی صادر ہو جانے کے بعد ان کا چین چھین جاتا ہے، گناہوں میں ان کو اپنی موت نظر آتی ہے، سارا پاکولا، سارے مرغ کے تکّے اور بوٹیاں، مرغ کی بریانیاں، بال بچوں کی زیارت اور کاروبار ان کی نگاہوں میں سب تلخ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ سورج اور چاند بھی تاریک نظر آتے ہیں، سارا عالم تاریک ہو جاتا ہے، جب تک وہ دو رکعت توبہ پڑھ کر گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ سے نہ رو لیں۔

حکیم الامّت سے کسی نے سوال کیا کہ جب خطا ہو جائے تو اللہ سے کتنا روؤں؟ کیا اس کی کوئی مقدار ہے؟ فرمایا کہ اتنا رو کہ دل میں آواز آجائے کہ میں نے تمہیں معاف

کر دیا۔ پھر تمہارا دل بالکل ہلکا ہو جائے گا، دل میں اطمینان آجائے گا۔ اللہ کے حضور گڑگڑانے سے قلب کو آہستہ آہستہ سکون اور اطمینان ملنا شروع ہو جائے گا جیسے درخت کو آگ لگ جائے تو اس کے پتے فوراً ہرے نہیں ہوتے، اسی طرح توبہ کرتے کرتے ایک زمانہ گزر جاتا ہے تب کہیں جا کر یہ جھلسا ہوا درخت پھر ہرا بھرا ہوتا ہے۔

اطمینانِ کامل کی ایک علامت

اس آیت کی رُو سے ذکر اور اطمینانِ قلب کے بارے میں جن کو یہ خیال ہے کہ ہم تو دل سے ذکر اللہ کرتے ہیں لیکن ہمارے قلب کو کوئی اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ دوستو اولیاء اللہ کو پورے پورے تقویٰ کے بعد جب ذکر اللہ سے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو اس کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ سلطنت کے ہاتھوں بھی نہیں بکتے۔ اگر ان کو کوئی سلطنت دی جائے، تخت و تاج ان کے قدموں پہ ڈالا جائے کہ تم آج اللہ کی تھوڑی سی نافرمانی کرلو، جماعت سے نماز چھوڑ دو، یہ لو پورے پاکستان کی حکومت لے لو۔ لیکن اگر یہ شخص ولی اللہ ہے تو ایک اعشاریہ بھی خدا کو ناراض نہیں کرے گا، وہ کہے گا کہ ایسی لاکھوں سلطنت قربان لیکن ہم ولایت سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔ اگر اس سے ماں باپ بھی کہہ دیں کہ نافرمانی کرلو تو بھی اللہ کو ناراض نہیں کرے گا۔

اطاعتِ والدین کی حدود

جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی ماں نے کہا کہ اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہ چھوڑے گا تو میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ روایت میں ہے کہ وہ ان کے منہ میں زبردستی لقمہ ٹھونستے تھے اور وہ انکار کرتی تھی یہاں تک کہ انہوں نے دو دن تک کھانا نہیں کھایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ اے ماں اگر تو کھانا نہیں کھائے گی اور بغیر کھائے مر جائے گی تو تیری جیسی سو مائیں بھی اگر مر جائیں تب بھی میں اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب انہوں نے اتنی پختگی دیکھی تو کھانا شروع کر دیا۔ اس حدیث سے علماء اور فقہاء نے مسئلہ نکالا کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو بھی ان کا کھانا، کپڑا اور

ان کی ضروریات اس کے بیٹے کے ذمے ہیں۔

بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ ہر وقت ہم پر ظلم کرتے ہیں، ہر وقت ستاتے رہتے ہیں تو ان کے لیے مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث نقل کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا ہم ایسے ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا سلوک کریں جو ہم پر ظلم کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ دونوں کے بارے میں تین دفعہ فرمایا وَاِنْ ظَلَمَاہُ، وَاِنْ ظَلَمَاہُ، وَاِنْ ظَلَمَاہُ[۱۸] اگرچہ وہ تجھ پر ظلم کریں، اگرچہ وہ تجھ پر ظلم کریں، اگرچہ وہ تجھ پر ظلم کریں۔

ماں کے اولاد پر تین عظیم احسانات

اولاد پر ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِاُمِّكَ اپنی ماں کے ساتھ۔ اس نے پھر یہی سوال کیا تو فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ جب چوتھی مرتبہ دریافت کیا تو فرمایا کہ اپنے باپ کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حسن معاشرت میں اچھا سلوک کرنے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے۔ اور قرآن شریف کی اس آیت کو استدلال کے طور پر پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری ماں نے تمہیں پالنے میں تین محنتیں اٹھائی حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا[۱۹] اس نے نو مہینے تک حمل میں تمہارا بوجھ اٹھایا، نو مہینے تک تکلیف اور مصیبت میں تمہیں پیٹ میں لے کر چلتی پھرتی تھی۔ ایک تکلیف تو یہ اٹھائی پھر تمہاری پیدائش کے وقت اس کو کتنی تکلیف پہنچی اور تیسری مشقت دو سال تک دودھ پلانے کی اٹھائی۔ حمل سے لے کر دودھ چھڑانے کی کم سے کم مدت تیس مہینے ہوتے ہیں، حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے اور دودھ پلانے کی مدت چوبیس مہینے، کل

---

۱۸ کنز العمال:۱۶/۴۷۸،(۴۵۵۳۹)،بر الاب والام،مؤسسۃ الرسالۃ

۱۹ الاحقاف:۱۵

ملا کر تیس ماہ ہوئے جو ادنیٰ درجہ ہے۔ تو حالت حمل، وضع حمل اور مدت رضاعت ماں کی اولاد کے لیے یہ تین عظیم مشقتیں ہیں۔

محدثین لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسی آیت کی روشنی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تین تکلیفیں بیان کر کے اس کا درجہ بتادیا کہ اس کا درجہ زیادہ ہے۔ لیکن محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ باپ کی عظمت اور باپ کا ادب ماں سے زیادہ ہے، حسن سلوک میں تو ماں کا درجہ زیادہ ہے جیسے کوئی آدمی غریب ہے، اس کے پاس زیادہ روٹی روزی نہیں ہے تو کھانے پلانے میں ماں کو مقدم کرے گا، ماں کا حق مقدم ہو جائے گا اور ادب کے لحاظ سے باپ کا حق زیادہ ہے۔

ایک صحابی کا انتقال ہو رہا تھا، ان کی ماں ان سے ناراض تھی، ان کے منہ سے کلمہ نہیں نکل رہا تھا۔ اس حدیث سے ایک بات معلوم ہوئی کہ ماں کی ناراضگی سے سوئے خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو بلوایا اور فرمایا کہ دیکھو اگر تمہارے بیٹے کو آگ میں جلایا جائے تو تم کو یہ قبول ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں میں تو اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ پھر آپ نے کہا کہ اس کو معاف کر دو، تو اس نے فوراً کہا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اسی وقت ان کے منہ سے کلمہ نکلا اور اتنی زور سے نکلا کہ دور تک آواز گئی۔ تو ماں کے معاملے میں ان چیزوں کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ذکر کامل تب ہو گا جب اللہ کے حقوق بھی ادا ہوں اور بندوں کے حقوق بھی ادا ہوں۔

صاحبِ تقویٰ ہر جگہ حالتِ امن میں ہوتا ہے

اب اس حدیث کو سن لیجیے جو میں نے بیان کے شروع میں پڑھی تھی کہ مَنِ اتَّقَی اللّٰہَ عَاشَ قَوِیًّا وَ سَارَ فِیْ بِلَادِہٖ اٰمِنًا جو شخص تقویٰ کے ساتھ رہتا ہے جہاں بھی رہے گا امن سے رہے گا۔ ہوائی جہاز میں بیٹھا ہے بے فکر ہے، بس میں جا رہا ہے بے فکر ہے غرض جہاں بھی ہو گا سکون میں ہو گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب دولت ہے۔ حکیم الامّت مجدد الملّت فرماتے ہیں کہ اگر نفس کی اصلاح کروا کے اللہ کو راضی کر لو، اللہ والے ہو جاؤ، صاحب نسبت ہو جاؤ تو تمہیں وہ چین اور سکون عطا ہو گا جو بادشاہوں کو خواب میں بھی نہیں ملے گا۔ یہ نہ

دیکھو کہ بادشاہوں کو اکیس توپوں کی سلامی مل رہی ہے، بہترین غذائیں مل رہی ہیں اور بڑی شان بان ہے۔ واللہ! ان کے قلوب میں وہ سکون نہیں ہے جو اولیاء اللہ کو بوریوں اور ٹاٹوں پر حاصل ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
اور اہل صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

اللہ والوں کے سینوں میں نور کا دریا بہتا ہے، اس کے آگے بادشاہی کوئی چیز نہیں، ہاں اگر اللہ کی ولایت کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ بادشاہی ہو تو کوئی مضایقہ نہیں۔ جیسے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ متقی بھی تھے، ولی اللہ بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ ولایت کے ساتھ بادشاہت جمع ہو سکتی ہے۔ تو آج یہ بات معلوم ہوگئی کہ اطمینان کی زندگی حاصل کرنے کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ضروری ہے اسی طریقے سے اللہ کی نافرمانی سے بچنا حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں ضروری ہے۔ لیکن ان دونوں چیزوں کا جمع ہونا ناممکن ہے جب تک کسی صاحبِ نسبت، صاحبِ خوف اور صاحبِ خشیت کی صحبت میں نہ رہا جائے، ان کی صحبت سے یہ اعمال آسان ہو جاتے ہیں۔ عادت اللہ یہ ہی ہے کہ بلا صحبت صالحین اس کا حصول ناممکن ہے، ہاں اگر اللہ کسی کو ایسی ہمت دے دے تو اور بات ہے، چشم ماروشن دل ماشاد، لیکن عادت اللہ یہ ہی ہے، تجربہ یہ ہی ہے کہ جب کسی اللہ والے کی صحبت مل جاتی ہے پھر راستہ آسان ہوتا ہے۔ ایک بزرگ شاعر فرماتے ہیں ؎

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ لگا تو چراغ راہ کے جل گئے

صالحین کا ایک اعزاز

جب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے تو اللہ کا راستہ نہ صرف آسان بلکہ لذیذ ہو جاتا ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ خود زندگی کا مزہ بھی اللہ والوں کی دوستی میں آتا ہے۔ کسی کو ذرا بھی ذوق سلیم ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر دنیا ہی میں جنت کا مزہ لینا ہے تو اللہ والوں کے پاس بیٹھ کر دیکھو کہ جنت کا مزہ آتا ہے۔ میرے شیخ مولانا شاہ عبد الغنی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جب جنت میں داخلہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ، وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [۲۰] میرے مقبول بندوں میں داخل ہو جاؤ اور جنت میں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام بعد میں لیا، اپنے مقبول بندوں کا نام پہلے لیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی صحبت جنت سے بھی زیادہ عزیز ہے کیوں کہ وہ مکین ہیں اور جنت مکان ہے اور مکین افضل ہوتا ہے مکان سے۔ اس پر اپنا ایک فارسی شعر یاد آیا ؎

میسر چوں مرا صحبت بجانِ عاشقاں آید
ہمی بینم کہ جنت بر زمیں از آسماں آید

جب ہم کو اللہ کے عاشقوں کی صحبت ملتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جنت آسمان سے زمین پر آگئی ہے۔

دنیا ہی میں جنت کا مزہ حاصل کریں

اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت میں جنت کا لطف دنیا ہی میں مل جاتا ہے کیوں کہ جنتی یہیں سے تو جنّت میں درآمد ہوں گے لہٰذا فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ کا مزہ یہیں سے لینا شروع کر دو۔ بتاؤ! جنت میں جنتی کہاں سے درآمد ہوں گے؟ اسی دنیا سے تو امپورٹ ہوں گے۔ لہٰذا جن کے اعمال اور اخلاق سے اندازہ ہو جائے کہ یہ اچھے اعمال اور اخلاق والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت اور خشیت دی ہوئی ہے تو ابھی سے ان کے پاس بیٹھنا شروع کر دو، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ کا مزہ یہیں سے لینا شروع کر دو، وہ خاص بندے اسی دنیا میں موجود ہیں، جنت کا مکان تو مرنے کے بعد ملے گا، ان شاء اللہ۔ لہٰذا اگر ان کے پاس بیٹھ گئے تو چوں کہ مکین افضل ہوتا ہے مکان سے لہٰذا ان کی صحبت کی برکت سے جنت سے زیادہ لطف یہیں اسی دنیا میں آنے لگے گا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت سے نہ صرف یہ کہ دین ملتا ہے بلکہ دنیا کے مصائب بھی دور ہو جاتے ہیں۔ ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ دنیا بھی عطا فرماتے ہیں۔ لیکن حکیم الامت ایک نصیحت بھی کرتے ہیں کہ اہل اللہ کے پاس صرف دنیا کی برکت لینے کی نیت سے نہ جاؤ، اپنی نیت خراب نہ کرو، نیت تو اللہ کی رکھو، دنیا تو بلا نیت ہی مل

[۲۰] الفجر: ۲۹-۳۰

جائے گی۔ دنیا بلا نیت ملتی ہے مگر آخرت نیت سے ملتی ہے۔

میں نے اپنے ایک دوست سے میر پور خاص میں ایک بات عرض کی تھی کہ کچھ لوگ دنیا کے لیے پاگل ہیں، کچھ لوگ اپنے مولیٰ کے لیے پاگل ہیں۔ پاگل تو دونوں ہیں، دیوانے دونوں ہیں، ایک دیوانۂ دنیا ہے اور ایک دیوانۂ آخرت ہے۔ لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس کو آپ ایک منٹ میں سمجھ لیں۔ جو دنیا کا پاگل ہے وہ پا دَر گِل ہے، اس کا پاؤں کیچڑ میں پھنسا ہوا ہے اور جو اللہ کا پاگل ہے وہ پا در گُل ہے اس کے پاؤں پھولوں میں ہیں۔ سبحان اللہ یہ میرے قلب میں اللہ نے ایک نکتہ ڈالا ہے۔ دیکھو یہ لفظی باتیں ہیں لیکن کیا کہیں عنوانات میں بھی مزہ ہوتا ہے، یہ تعبیرات بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں۔

تزکیہ نفس کے لیے مشیت الٰہیہ کیسے حاصل ہو؟

میں عرض کر رہا ہوں کہ ہم سب اصلاح نفس چاہتے ہیں، ہم سب کا دل چاہتا ہے کہ ہمارا نفس اللہ والا ہو جائے، گناہوں کی بری عادتیں چھوڑ کر متقی ہو جائے، ہم سب ولی اللہ ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا [۲۱] اگر تمہارے اوپر اللہ کا فضل اور اللہ کی رحمت نہ ہو تو اے دنیا والو تم میں سے کوئی بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ قیامت تک کسی کی اصلاح نہیں ہو سکتی، کسی کا تزکیہ نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کا وہ خاص فضل اور خاص رحمت حاصل نہ ہو۔ اللہ کا عام فضل اور عام رحمت تو کافروں کو بھی روٹی دیتی ہے پھر وہ کون سا فضل، وہ کون سی رحمت ہے جو بندوں کو اولیاء اللہ بناتی ہے؟ قرآن پاک کی رُو سے یہ ایک نیا علم پیش کر رہا ہوں، ان شاء اللہ آپ پہلی دفعہ سنیں گے، الا ماشاء اللہ کسی اور کو بھی توارد ہو گیا ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ولی اللہ بنانے، ان کی اصلاحِ نفس اور تزکیۂ نفس کے لیے ایک خاص شعبۂ فضل اور خاص شعبۂ رحمت رکھا ہے۔ مگر یہ خزانہ ملے گا کہاں سے؟ یہ خاص فضل اور یہ خاص رحمت جو بندوں کو ولی اللہ بناتی ہے یہ کہاں سے ملے گی؟ اس کا جواب قرآن پاک کی ایک اور آیت میں

۲۱؎ النور:۲۱

ہے، ان دو آیتوں کو ملا کر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے جواب سمجھایا ہے۔ دوسری آیت ہے یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ [۲۲] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارے نبی صحابہ کی اصلاح وتربیت کے لیے تین کام کرتے ہیں۔ ایک تو تلاوت کرتے ہیں، جب وحی نازل ہوتی ہے تو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، دوسرا کام یہ ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم بھی کرتے ہیں، قرآن پاک کو سمجھاتے بھی ہیں اور تیسرا کام یہ کہ تزکیۂ نفس بھی کرتے ہیں تاکہ علم نااہل سینوں میں نہ پہنچ جائے، کبر اور دنیا کی ہوس و محبت کی گندی شیشی میں اللہ کی محبت کا عطر داخل نہ ہو۔ اس لیے نبی تزکیۂ نفس فرماتے ہیں۔ یُزَکِّیۡہِمۡ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی تزکیہ کون فرماتے ہیں؟ ہمارے نبی۔ اب ان دونوں آیتوں سے سمجھیے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر میری رحمت اور میرا فضل نہ ہو تو کوئی پاک نہیں ہوسکتا اور دوسری آیت میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی تزکیہ فرماتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ وہ خزانۂ رحمت، فضل کا وہ خزانہ جو اللہ کے بندوں کو ولی اللہ بناتا ہے، اس خزانہ کی بھیک کہاں سے ملتی ہے؟ نبی کے دروازے پر ملتی ہے، بابِ رسالت پر عطا ہوتی ہے۔ اگر رسول کے دروازے سے ہٹ کر، بابِ رسالت سے اعراض کرکے کوئی شخص چاہے کہ میں براہِ راست اللہ کے اس فضل ورحمت کو حاصل کرلوں تو ؎

این خیال است و محال است و جنوں

یہ ناممکن ہے۔ یہاں تک ایک بات سمجھ لی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب نبوّت کا دروازہ بند ہوگیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اب تزکیہ کون کرے گا؟ یُزَکِّیۡہِمۡ کی وہ ضمیر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہورہی تھی اب کون یُزَکِّیۡ ہوگا؟ اب علی سبیل نیابت اولیاء کاملین ومشائخ متبع سنت ہونے کی برکت سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کے صدقے اور طفیل میں اور آپ کی اتباع کی برکت سے اللہ کے نبی کے نائب ہوگئے، وارث ہوگئے، چناں چہ اب اولیاء اللہ کے دروازوں سے وہی بھیک ملے گی، اب یہ بھیک بابِ ولایت سے عطا ہوگی، یُزَکِّیۡہِمۡ کی ضمیر اب قیامت تک ان کی

۲۲؎ البقرۃ:۱۲۹

طرف راجح رہے گی جو علیٰ سبیل نیابت متبع سنت ہیں۔ اگر ان سے ہٹ کر کوئی شخص چاہے کہ میں اللہ سے یہ فضل براہ راست لے لوں تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چمگادڑ نے دنیاوی آفتاب سے اعراض کیا، استغناء کیا، بغاوت کی کہ میں روشنی سے نفرت کروں گا۔ چمگادڑ سورج سے کہتا ہے کہ اپنی جتنی چمک دمک چاہے دِکھا لیکن میں تیری روشنی پر تھوکتا بھی نہیں ہوں۔ اسی لیے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ سورج کی روشنی سے بغاوت کے وبال میں چمگادڑوں کو اللہ نے الٹا لٹکا دیا یعنی ان کا ذوق فاسق کر دیا، اُلٹے لٹکنے پر ان کے ذوق کو، ان کی فطرت کو ایسا کر دیا کہ بغیر اُلٹا لٹکے ہوئے ان کو چین ہی نہیں آتا۔ جا کر ان کو اندھیروں میں دیکھ لو، سارے چمگادڑ اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہل اللہ اور مشایخ و کاملین سے عداوت اور نفرت کرنے والوں کا حال بھی یہی ہو گا کیوں کہ اللہ والے ہدایتِ معنوی کے آفتاب ہیں، یہ سورجِ معنوی ہیں، ان کی روح اور ان کا قلب ہدایت کا آفتاب ہے، اگر ان سے اعراض کیا، ان سے بغاوت اور استغناء کیا تو ایسے ہی کبھی جاہ اور کبھی باہ کے گناہوں میں ملوث رہو گے، اللہ کی محبت کا درد ملنا مشکل ہو جائے گا۔

بس اب دعا کیجیے کہ اللہ آپ کی رحمت سے جو کچھ عرض کیا گیا اس پر عمل کی توفیق عطا فرمایئے اور ہم سب کو اپنی رحمت سے اپنی خشیت اور محبت نصیب فرمایئے۔ اللہ ہم میں سے ہر ایک کی جائز حاجت پوری فرمایئے۔ اللہ ہم میں سے ہر ایک کے قرض کی ادائیگی کا غیب سے سامان فرمایئے۔ اللہ ہم میں سے ہر ایک کی جسمانی اور روحانی بیماری کو شفاء عطا فرمایئے۔ اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے ہماری دنیا بھی سنوار دیجیے اور آخرت بھی سنوار دیجیے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے مِلاتے ہیں سُنّت کے راستے

دنیا کا ہر انسان سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے گو ظاہری طور پر نہایت عیش میں ہے، اچھا کھا رہا ہے، اچھا پہن رہا ہے اور محلوں میں رہ رہا ہے لیکن دل میں اطمینان اور طبیعت میں سکون نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اطمینان جسم کے عیش اور آرام کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق قلب سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں واضح طور سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ دلوں کو اطمینان میرا نام لینے ہی سے ملتا ہے۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ ”اطمینانِ کامل“ میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر دنیاوی راحت وآرام اور جسمانی آسائشوں کے باوجود کسی کے دل کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا تو اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کسی نہ کسی گناہ میں ملوث ہے۔ گناہوں کی آلودگی کے ساتھ قلب کو اطمینان کامل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر اطمینان کامل حاصل کرنا چاہتے ہو تو کامل متقی بن جاؤ اور سو فیصد تقویٰ پر سو فیصد اطمینانِ قلب پا جاؤ۔